بشیر احمد ڈار

کون فیوشس کا اخلاقی نظام

(نمبر ۲)

کون فیوشس کے نظامِ اخلاق میں سب سے بڑی نمایاں کمزوری جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے یہ ہے کہ اس میں خدا، کائنات اور انسان کے متعلق کوئی غیر مبہم اور واضح تصوّر موجود نہیں۔ وہ خدا کے وجود سے منکر نہیں لیکن اس کا صحیح تصور اس کے کلام میں کہیں نہیں ملتا۔ جب تک یہ بنیادی تصوّر موجود نہ ہو تب تک کسی نظامِ اخلاق کا کامیابی سے چلنا ممکن نہیں۔ محض بیرونی عوامل سے لوگوں پر اخلاقی قوانین عائد کرنے سے کوئی اصلاح پائدار نہیں ہو سکتی جب تک یہ قوانین انسانی ضمیر کی گہرائیوں میں نہ اُتریں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کہیں کہیں خدا کی رضا اور خدا کے مقاصد کا ذکر اس کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن وہ اتنا غیر واضح اور بے ربط سا ہے جس سے اس کی افادیت پر بڑی زد پڑتی ہے۔ ایک دفعہ وہ چوروں کے گروہ میں گھر گیا لیکن خوش قسمتی سے وہ بچ گیا۔ اس کے شاگرد اس کے لئے بہت متفکر تھے۔ ان کے جواب میں اس نے کہا: ”کیا میں حقیقت ازلی کا مظہر نہیں؟ اگر خدا چاہتا کہ حقیقت اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی تو اس نے مجھے اس کا مظہر کیوں بنایا؟ یہ لوگ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟“ اس ایک مختصر سے فقرے میں خدائے تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنے پیغمبر ہونے کی طرف ایک مبہم سا اشارہ موجود ہے لیکن کہیں بھی ان کی تفصیلات ہمیں نہیں ملتیں۔ اسی طرح ایک جگہ اس کا یہ فقرہ کہ وہ شخص جس نے خدا کی ناراضگی مول لی ہو اس کے لئے دنیا میں کوئی جائے پناہ نہیں یعنی خدا کی رضا ہی ایک بلند ترین انسانی نصب العین ہے اس چیز کی غمازی کرتا ہے کہ کون فیوشس کے ذہن میں خدا اور انسان کے متعلق ایک ایسا نظریہ موجود تھا جو بعد میں اسلام نے پیش کیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسلام نے اپنے اخلاقی نظام کی تمامتر بنیاد خُدا کی وحدانیت پر رکھی اور کون فیوشس نے اس طرح کے سوالات کی طرف بالکل کوئی توجہ نہ دی اور اگر کسی نے اس کے متعلق سوالات کئے بھی تو بالکل غیر واضح جوابات دے کر اس کو ٹال دیا۔

کائنات کے متعلق اس کا نظریہ صاف تھا اور ہر قسم کی رہبانی آمیزش سے پاک۔ اس کے اقوال میں زندگی اور زندگی کے مسائل کے متعلق ایک صحت مندانہ نقطۂ نگاہ ملتا ہے۔ ایک دفعہ دورانِ سفر میں اس نے دیکھا کہ ایک گاؤں کے لوگ فصل کاٹنے کے بعد خوشی منا رہے تھے۔ کون فیوشس ان کو گاتے ناچتے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ لیکن چند زاہدانِ خشک کو زندگی کا یہ دلچسپ پہلو پسند نہ آیا اور اُنہوں نے کہا کہ کیا بہتر نہ ہوتا کہ یہ لوگ خدا کا شکریہ ادا کرتے اور اس کے آگے سربسجود ہو جاتے؟ یہ سُنکر کون فیوشس بولا:

"تم بالکل غلطی پر ہو! کیا تم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ان لوگوں کے اس عمل میں شکریہ اور عبادت دونوں شامل ہیں، اگرچہ اُن کی شکل اس طرح رسمی نہیں جس طرح کہ تم دیکھنا چاہتے ہو؟ ان بے چاروں کی زندگی بے انتہا مصیبتوں اور پریشانیوں کی زندگی ہے، اور یقیناً اُن کو اس ناچ رنگ کا پورا حق حاصل ہے۔" یہ خالص انسانی اور عوامی نقطۂ نگاہ تھا جو صرف عظیم تر مصلح ہی کے ذہن میں آسکتا ہے بمتعصب اور تنگ نظر ملاؤں کی نظر اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس سے یہ حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے کہ کون فیوشس کے نزدیک یہ کائنات بلا مقصد نہیں اور انسانی نصب العین محض اس سے فرار نہیں۔ اس کے خیال میں انسان کا وجود اور معاشرہ کی تشکیل ایک فطری امور ہیں جن کی تہ میں ارادۂ الٰہی کارفرما ہے۔ انہی کی اصلاح میں انسانیت کی فلاح و بہبود مضمر ہے۔

انسان کے متعلق اس کا تصوّر یہ تھا کہ وہ بہترین خلقت پر پیدا کیا گیا ہے اور اس کی فطرت چونکہ خدا کی فطرت پر بنائی گئی ہے اس لئے نیک ہے۔ ایک شخص نے کون فیوشس سے اس کے نظامِ اخلاق کے بنیادی اصول کے متعلق سوال کیا۔ اس نے جواب دیا:
"انسان کی فطرت خدا کی فطرت پر ہے۔ وہ عمل جو اس فطرت سے مطابقت رکھتا ہے درست ہے۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔" یہ الفاظ بالکل قرآنی الفاظ کی گونج ہیں اور انہی پر اسلامی اخلاق کی تمام بنیاد استوار ہوتی ہے:

فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس علیھا (۳۰: ۴)

اس کے برعکس عیسائی اخلاق کا دارومدار اس اصول پر ہے کہ انسان ہبوطِ آدم کی وجہ سے بدی کا مجسمہ ہے اور اس کی فطرت میں شر اتنا رچ چکا ہے کہ جب تک اُس کے گناہوں کا بوجھ کوئی ابن اللہ نہ اُٹھائے وہ نجات کی توقع نہیں کر سکتا۔ کون فیوشس کا سارا نظامِ اخلاق ایسے قنوطی نظریہ کے خلاف ایک مسلسل جہاد تھا۔ نہ اس کی نگاہ میں یہ کائنات اور زندگی شر کا مظہر تھی جس سے بھاگنا انسان کا وظیفۂ حیات ہو اور نہ اس کی فطرت مسخ شدہ ہے کہ وہ انفرادی کوششوں سے اس کی اصلاح نہ کر سکے اور اسے کسی ایسی ہستی کی ضرورت ہو جو اس کا کفارہ ادا کر سکے۔

چنانچہ کون فیوشس کے بعد اس کا نامور شاگرد مینشس اسی نظریہ کا پُرزور حامی تھا کہ پیدائش کے وقت انسان کی فطرت بالکل نیک ہوتی ہے اور یہ صرف بعد کے اثرات ہیں جو ماحول یا والدین کی تربیت کے زیر اثر انسان کو صحیح راہ سے منحرف کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ اسی زمانہ میں ایک چینی مفکر کاؤ نے اس نظریہ کی مخالفت میں آواز اُٹھائی۔ اس کے خیال میں انسانی فطرت نہ نیک ہے نہ بد بلکہ جس طرح پانی کے بہاؤ میں مشرق و مغرب کی تمیز نہیں ہوتی اور جس طرف اُسے راہ ملے وہ نکل جاتا ہے اسی طرح انسانی اعمال بھی ماحول کے زیر اثر اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ نیکی اور بدی کا لیبل بعد کی پیداوار ہے۔ اس کے جواب میں مینشس نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ پانی اپنی رفتار میں کسی سمت کا پابند نہیں لیکن نشیب کی طرف بہنا اُس کی فطرت ہے۔ اور اگر اسے فراز کی طرف بہانا مقصود ہو تو اس کے لئے کوشش درکار ہو گی۔ اسی طرح نیکی کی طرف رجحان انسان کی فطرت ہے اور بدی کا راستہ اختیار کرنا ایک غیر فطری امر جو محض بیرونی حالات کے باعث نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح کون فیوشس کے پیروؤں کو ایک اور نظریہ کا مقابلہ بھی کرنا پڑا۔ بعض کا خیال تھا کہ کچھ انسان فطرتاً نیک ہوتے ہیں اور بعض فطرتاً بد۔ اگرچہ یہ ایک قسم کا درمیانی راستہ تھا و مختلف اور متضاد نظریوں کے

درمیان پھر بھی اگر کوئی نظریۂ اخلاق یہ تسلیم کرے کہ چند افراد ایسے بھی موجود ہیں جن کی فطرت میں بدی ہے تو اس سے تمام اخلاقی اصلاح اور معاشرتی بہبودی کا تصور ہی سرے سے ناپید ہو جاتا ہے۔ اس لئے کون فیوشس کے پیروؤں نے اس نظریہ کی پُرزور تردید کی۔ دنیا میں چند بزرگ ترین ہستیاں ہمیشہ رہی ہیں اور آیندہ بھی ہونگی۔ اور دوسرے لوگ بھی ان کی تقلید سے ایسی پاک زندگی بسر کر سکتے ہیں کیونکہ نیکی کا تمامتر انحصار چند اعمال سے ہے جو ہر ایک انسان کے لئے ممکن اور آسان ہیں۔ اگر اکثریت سے ایسے کام سرزد نہیں ہوتے تو اس کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ جب کوئی کبھی بُرا فعل سرزد ہوتا ہے تو اس کا باعث فطرتی بدی نہیں جو بالکل ناپید ہے بلکہ بیرونی اثرات ہیں جو انسان کی فطرتِ صحیحہ کو مسخ کر دیتے ہیں۔ یہی وہ فطرتِ صحیحہ ہے جس کو قرآن کے الفاظ میں فطرتِ خداوندی پر بنایا گیا ہے اور جس طرف آں حضرت کی مندرجہ ذیل حدیث اشارہ کرتی ہے کہ ہر بچہ فطرتِ صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے یہ صرف اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

کون فیوشس کے نظام میں عملی مثال پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ قوم اور افراد کی اصلاح کا تمامتر انحصار کتب مقدسہ قدیم کی پیروی میں تھا اس لئے اس کے نزدیک جب تک کوئی راہنما ان اخلاقی اصولوں پر خود عمل کر کے نہ دکھائے تب تک کسی انقلاب کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اس حیثیت سے افلاطون اور کون فیوشس دونوں متفق تھے کہ معاشرہ تبھی صحیح معنوں میں پنپ سکتا ہے جب اس کے حکمران حکیم ہوں۔ یعنی ایک حکیم و فلسفی ہی کسی قوم کا سیاسی راہنما ہونا چاہئے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو معاشرہ کا خدا ہی حافظ ہوگا۔ اسی لئے اس نے اپنے زمانے میں ہر ریاست کے والی کو جس نے اس سے مشورہ طلب کیا یہی کہا کہ وہ قدیم دانش مند بادشاہوں کے عمل کی پیروی کرے اور جب کبھی اسے موقع ملا اس نے اس مقولے پر عمل کر کے اس حقیقت کو ثابت کر دیا۔ یہی اصول مندرجہ ذیل اقتباس سے واضح ہوتا ہے:

"قدما جو تمام ملک میں معروف نیکی کی ترویج چاہتے تھے، اُنہوں نے سب سے پہلے اپنی اپنی ریاستوں کا انتظام درست کیا۔ اس کام کو اچھی طرح سرانجام دینے کے لئے اُنہوں نے سب سے پہلے اپنے اپنے خاندانوں کا انتظام درست کیا۔ یہ کام مناسب طور پر کرنے کے لئے اُنہوں نے اپنی انفرادی زندگی کو سنوارا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے قلب کو پاک کیا اور اس کے لئے اُنہوں نے اپنے خیالات اور تصوّرات کو صاف کیا۔ یہ کام تبھی ہو سکتا ہے جب ہمارا علم وسیع ہو اور علم کی وسعت منحصر ہے اشیاء کی حقیقت و ماہیت جاننے پر۔"

چینی مفسرین کی رُو سے اشیاء کی ماہیت سے مُراد یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء جو ہمارے تجربہ میں آتی ہیں ان کی فطری خصوصیات کے بُنیادی اصول سے واقفیت حاصل کی جائے۔ اس کے اخلاقی نظام میں یہ بھی ایک بنیادی تصوّر تھا کہ جس طرح خارجی کائنات میں ایک قسم کا توازن و ہم آہنگی پائی جاتی ہے اسی طرح انفرادی زندگی میں ایک ہم آہنگی و توازن ہونا چاہئے اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اس نے اشیاء کی ماہیت معلوم کرنے پر زور دیا۔ لیکن بدقسمتی سے علم عظیم کی کتاب کا وہ باب جو علم کائنات کے متعلق تھا ناپید ہو چکا ہے۔ خیالات میں خلوص کا مطلب یہ ہے کہ انسان ایسی زندگی بسر کرنے کا عادی ہو کہ اس کے لئے نیک اعمال اختیار

کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو اور اس کے علاوہ جب وہ یہ اقدام کرے تو اس کی نیت دنیاوی یا شخصی فوائد سے بالا ہو، محض نیکی کا تصور ہی اس کے لئے کافی دلکشی کا موجب ہو۔ لیکن قلب کی صفائی اور خیالات کی صفائی جو کون فیوشس کے نزدیک دو مختلف منازل ہیں درحقیقت ایک ہی منزل کے دو مختلف نام ہیں، ان میں امتیاز کرنا مشکل ہے۔ لیکن قلب کی صفائی پر مناسب زور دے کر کون فیوشس نے اپنے نظامِ اخلاق کو ملّائی جمود، ظاہریت اور بے جان رسوم کی پابندی سے بچا لیا۔ ایک دفعہ کسی نے اس سے سوال کیا: طریقت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: طریقت انسان سے دور نہیں۔ یعنی اگرچہ فرائض کی انجام دہی میں انسان کو اپنی اندرونی روحانی زندگی سے باہر اس خارجی دنیا میں کام کرنا پڑتا ہے پھر بھی ان تمام اعمال کا صحیح سرچشمہ انسان کا دل ہی ہے۔ اگر یہ دل صحیح اور آلائشوں سے پاک ہو تو پھر تمام اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ ایک امیر نے ایک اچھی حکومت چلانے کے متعلق کون فیوشس سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا "حکومت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارا قلب پاک ہو۔ اگر تم اس حالت میں لوگوں پر حکومت کرو گے تو کون ہے جو تمہاری حکومت میں اخلاقی قوانین کی خلاف ورزی کرے گا؟"

"لیکن سلطنت میں تو کئی چور ڈاکو ہوتے ہیں، ان کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

"اگر آپ اپنے دل سے لالچ اور طمع نکال پھینکیں تو لوگ چوری چکاری بالکل ترک کر دینگے۔ اگر تم ان کو لالچ دو تب بھی وہ یہ کام نہ کرینگے۔"

"قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو قتل کرنے یا پھانسی دینے کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

"حکومت چلانے میں آپ کو پھانسی دینے یا قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر آپ نیکی کے کاموں پر اپنے دل کو متوجہ پائیں گے تو آپ جلدی ہی دیکھیں گے کہ لوگ بھی اسی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ عوام اور حکمرانوں کا رشتہ بالکل ہوا اور گھانس کا سا ہے۔ جب ہوا چلتی ہے تو گھاس خود بخود نیچی ہو جاتی ہے۔"

کون فیوشس کے نظامِ اخلاق میں پانچ فضائل نمایاں حیثیت رکھتے ہیں:

(۱) سب سے اوّل انسانی ہمدردی ہے۔ تمام معاملات میں خواہ وہ محدود خاندانی دائرہ میں ہوں یا وسیع تر معاشری دائرہ میں انسانی برادری کا تصور بنیادی محرک کے طور پر رکھنا ضروری ہے۔ "تمام دنیا کے انسان بھائی بھائی ہیں۔" کون فیوشس نے مختلف موقعوں پر حالات کی مناسبت سے اس کی تشریح کی۔ مختصر قول یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ سب سے محبت کرے۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنی زندگی میں تمام لوگوں سے محبت، ہمدردی، خلوص سے سلوک کریں۔ ایک دوسرے موقع پر اس نے کہا کہ نیک انسان وہ ہے جو دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرے جیسا کہ وہ دوسروں سے توقع رکھتا ہے۔ اس خوبی کا سارا دارومدار اس کی نگاہ میں ماں باپ کی فرمانبرداری اور سلوک پر ہے۔ اگر ملک کے حاکموں میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو عام لوگوں میں خود بخود اس کی پرورش ہوگی۔

(۲) انصاف اور احساس فرض ـــــ اگر کوئی شخص اپنے ملک کی خدمت کے جذبہ سے محروم ہو تو وہ انسانیت کے درجہ سے گرا ہوا ہے حکمران کو چاہئے کہ وہ عوام پر ان کی استطاعت کے مطابق بوجھ ڈالے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو عوام خوشی سے اس کی اطاعت کرینگے اگر انصاف اور نیکی موجود نہ ہو تو اوپر کے طبقوں کے لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر بغاوت پر مجبور ہونگے اور نچلے طبقوں کے لوگ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کی طرف مائل ہونگے۔ بغیر نیکی کے دولت اور عزّت محض بے کار چیزیں ہیں۔

(۳) ظاہری صفائی و ادب۔ کون فیوشس کی نگاہ میں محض جسمانی صفائی اور لباس کی آرائش اندرونی پاکیزگی کے بغیر بے کار ہے۔ اگر کوئی شخص انسانی ہمدردی سے معرّا ہو تو اس کی تمام صفات رذائل سے بدل جاتی ہیں۔ اس کی احتیاط بزدلی، اس کی جرأت نافرمانی اور اس کی صاف گوئی ترش روئی میں مبدّل ہو جائیں گی۔ ادب کے بغیر انسانی سیرت بے کار ہے۔ اور اگر علم بھی ہو تو وہ انسان گمراہی سے محفوظ رہتا ہے۔

(۴) حکمت و دانائی۔ سب سے اہم علم انسانوں کے متعلق علم ہے جن کے ساتھ مل کر ہم نے زندگی گزارنی ہے۔ بچپن سے لے کر موت تک ہم مختلف حیثیتوں سے دوسرے انسانی افراد سے تعلقات رکھتے ہیں اور اس لئے ایک کامیاب زندگی گذارنے کے لئے اس علم کی ضرورت بدیہی ہے۔ کامیاب زندگی کا معیار کون فیوشس کے نزدیک یہی ہے کہ ایک خاندان کے افراد، حاکم و محکوم، معاشرے کے مختلف افراد جو کسی نہ کسی حیثیت میں ایک دوسرے سے متعلق ہوں، اور دوست اپنے اپنے حقوق و فرائض سے پوری طرح واقف ہوں اور ان کو بوجوہ احسن ادا کرتے رہیں۔ صحیح حکمت یہی ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال میں خدا کے قانون کی پیروی کرے اور اس کی رضا سے کسی حالت میں بھی منہ نہ موڑے یہی وہ اخلاقی نصب العین ہے جس کی بنا پر انسان اپنی زندگی میں اعتدال اور میانہ روی کے راستے پر گامزن رہتا ہے اور ہر قسم کی افراط و تفریط سے بچا رہتا ہے۔ اسی کے متعلق آنحضرت کی ایک حدیث ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَہٗ خَالِصًا وَّابْتُغِیَ بِہٖ وَجْھُہٗ ۔	وہی عمل اللہ کے نزدیک قابلِ قبول ہوتا ہے جو خالصۃً اس کے لئے کیا جائے اور جس سے صرف خدا کی رضا مقصود ہو۔

سلبی طور پر قرآن مجید میں آتا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے رضائے الٰہی سے منہ موڑا ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ ۔	وہ سزا اس لئے پائیں گے کہ انہوں نے اس چیز کی پیروی کی جس نے خدا کو ناخوش کر دیا اس لئے ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔

تو گویا یہی رضا جوئی انسان کے لئے معیار خیر و شر بن جاتی ہے اور اسی نصب العین کے باعث دنیا کی زندگی میں ہر قسم کے خوف و ہراس، بے چینی و اضطراب سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے قلب میں اطمینان اور سکون ہوتا ہے۔ کون فیوشس کہتا ہے کہ جس طرح ایک مچھلی سمندر کی تہ میں جا بیٹھتی ہے۔ اسی طرح ایک نیک آدمی اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتر کر اپنا محاسبہ کرتا ہے اور اس محاسبہ کے بعد اگر اسے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جو اس نے رضائے الٰہی کے خلاف کی ہو تو پھر اس کو خوف و ڈر کس چیز کا ہو؟ وہ کھانا کھاتا ہے تو بھوک کی خاطر نہیں، وہ گھر بنا کر رہتا ہے تو آرام کے لئے نہیں۔ اس کا ہر فعل خدا کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو خوف و ہراس کی کوئی وجہ نہیں۔

اسلام میں اس رضاجوئی کا نصب العین اتنا بنیادی ہے کہ لفظ اسلام کے معنی ہی خدا کے آگے گردن جھکا دینے کے ہیں اور اس میں خوف و ہراس کا فقدان اور اطمینانِ قلب کا وجود مضمر ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

ہاں جس شخص نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا اور وہ نیکوکار ہے تو اس کا اجر اپنے رب کے پاس ہے اس کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی رنج و ملال۔

اور دوسری طرف ارشاد ہوتا ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے

اگر انسان بغیر علمِ صحیح و غور و فکر کے نیکی کرنا چاہئے تو کون فیوشس کے نزدیک ناممکن ہے اور علم کی تحصیل اگر اصلاح کے لئے نہ ہو تو بے کار ہے۔ مطالعہ بغیر فکر و تدبر کے ایک فعل عبث ہے اور اسی طرح فکر و تدبر بغیر مطالعہ ایک خطرناک فعل۔ ایک دفعہ اس نے اپنے متعلق کہا کہ میں نے سارا دن بغیر کھائے اور ساری رات بغیر سوئے فکر و تدبر میں صرف کر دی لیکن نتیجہ صفر تھا۔ بہتر راستہ یہ ہے کہ (مقدس کتابوں کا) مطالعہ کیا جائے اور فکر و تدبر بھی کیا جائے۔ کامیابی کا انحصار ان میں سے ایک پر نہیں بلکہ دونوں پر ہے لیکن علم و فکر کا صحیح فائدہ اس وقت ہوگا جب انسان میں ان کے مطابق عمل کرنے کی قوت اور ارادہ ہو

(۵) خلوص۔ کون فیوسش کے نزدیک یہ صفت نیکی کے لئے ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ خلوص کے بغیر ہماری خانگی اور معاشری زندگی میں وہ ہم آہنگی و توازن پیدا نہیں ہو سکتا جس کی ہر کامیاب انسان کو ضرورت ہے۔

بعض عیسائی مصنفین نے کون فیوشس کے بعض اقوال پر اعتراضات کئے ہیں مثلاً ایک شخص نے سوال کیا: "آپ کا اس اصول کے متعلق کیا خیال ہے کہ برائی کا بدلہ مہربانی سے دیا جائے؟"

"اگر اس کو مان لیا جائے تو پھر مہربانی کا بدلہ کس طرح دیا جائے گا؟ برائی کا بدلہ انصاف سے دو اور مہربانی کا بدلہ مہربانی سے"

لیکن یہ کون فیوشس کے نظامِ اخلاق کی میانہ روی اور اعتدال پسندی کا بیّن ثبوت ہے۔ اس میں بدھ مت اور عیسائیت کی طرح حد سے زیادہ نرم مزاجی اور انکسار موجود نہیں اور نہ اس نے اس دنیا سے فرار کا سبق دیا۔ اس کے نزدیک انسان صحیح اور نیک فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس لئے نہ اس کے نظام میں کفارہ کا عقیدہ موجود ہے اور نہ کسی ابن اللہ کا جو تمام انسانوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ اس نے ایک دفعہ اپنے متعلق کہا تھا کہ میں تو صرف ایک انسان ہوں جو علم کی تحقیق میں کھانا کھانا بھی بھول جاتا ہے اور جو کامیابی کی خوشی میں اپنے غم کو فراموش کر دیتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کون فیوشس کا نظامِ اخلاق بہت حد تک عملی اور کارآمد ہے اور اس میں انسانی زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے ایک عمدہ لائحہ عمل موجود ہے۔ لیکن ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کے بغیر کوئی اخلاقی نظام ایک پائدار اور مستقل تمدن کی بنیاد نہیں بن سکتا اور یہی دو بنیادی تصورات ہیں جو کون فیوشس کے نظامِ اخلاق میں غیر مبہم طور پر موجود نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے ذہن میں خدا، حیات بعد الممات، کارخانۂ قدرت میں ایک حکمت و نظام کے تصورات موجود ہیں۔ لیکن اس لئے

کبھی ان کی پوری پوری وضاحت نہیں کی اور نہ اپنے نظامِ اخلاق کو ان کی بنیاد پر تعمیر کرنے کی کوشش کی۔ ان کی بجائے اس نے آباؤ اجداد کی روحوں کی تعظیم پر زور دیا جو کسی حالت میں بھی ان بنیادی تصورات کا بدل نہیں ہو سکتا۔ چین میں خود اس کے زمانے میں اور بعد میں بھی اس رسم کو اتنا اہم مانا گیا کہ اس نے ایک مشرکانہ عبادت کی شکل اختیار کر لی اور یہ روحیں دیوتاؤں کا روپ اختیار کر گئیں۔ کون فیوشس نے تو ان مشرکانہ رسوم کی نہ پیروی کی اور نہ ان کی تعلیم دی۔ لیکن حیات بعد الموت اور جزا کے صحیح تصوّر کے بغیر اس قسم کے غلط طریقوں کا رواج پانا ایک یقینی امر تھا اور اسی لئے چین میں کون فیوشس کے نظامِ اخلاق کے ساتھ ساتھ بُدھ مت کی کامیابی اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ کون فیوشس کی کوشش پوری طرح انسان کے روحانی مقتضیات کو پورا نہیں کرتی۔

مینشس جو کون فیوشس کا مشہور شاگرد ہے اس کی وفات سے ایک سو اسّی برس بعد ۳۷۱ قبل مسیح میں پیدا ہُوا۔ اس کا چینی نام مِنگ زا یعنی حکیم منگ ہے۔ ابھی تین برس ہی کا تھا کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور مینشس کو بڑی تنگ دستی اور غربت میں زندگی بسر کرنی پڑی۔ ان کا مکان قبرستان کے قریب تھا۔ عام بچّوں کی طرح مینشس ان تمام رسوم کو گھر پر ادا کرتا جو میت کو دفن کرنے پر چین میں مروج تھیں۔ اس پر اس کی ماں نے سوچا کہ اس ماحول میں بچّے کی صحیح تربیت ممکن نہیں۔ اس نے باوجود مشکلات اور مالی پریشانی کے اپنا مکان کسی اور جگہ تبدیل کر لیا۔ اس دفعہ مینشس نے اپنے نئے ماحول کے مطابق کاروباری معاملات کی نقل شروع کی، جس کو اس کی ماں نے ناپسند کیا اور پھر مکان تبدیل کر کے ایک اور جگہ رہائش اختیار کر لی۔ یہ جگہ ایک مدرسے کے قریب تھی جس کا ماحول، طریقۂ تعلیم اور نصاب کون فیوشس کے نظام کے مطابق تھا۔ یہاں مینشس نے پھر نقالی شروع کی۔ لیکن اس دفعہ اس کی ماں خوش تھی کیونکہ ایک اچھے طریقۂ زندگی کی پیروی پر یقیناً اچھے نتائج پیدا ہونے کی توقع تھی اور ہُوا بھی وہی جس کی اُمید تھی۔ چین میں روایت ہے کہ مینشس کی والدہ صحیح معنوں میں ایک اعلیٰ سیرت و کردار کی عورت تھی۔ جس کی وجہ سے وہ بہت جلد اپنے ملک کے عظیم مفکروں اور راہنماؤں میں شمار ہونے لگا۔

جب وہ جوان ہُوا تو چین کے حالات بہت زیادہ بگڑ چکے تھے۔ خانہ جنگی نے ملک میں بے چینی اور مالی بحران پیدا کر دیا تھا کسی شخص کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ امیر غریبوں کا خون چوس کر عیاشی کرتے تھے اور غریب فاقوں سے نڈھال ہو رہے۔ مینشس نے کون فیوشس کے مشہور شاگردوں سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ اور اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے اصولوں کی ترویج کرنا ہی ملک سے وفاداری کا بہترین طریقہ ہے۔ کیونکہ اس کے خیال میں ملک کے عوام اور حکمرانوں دونوں کی نجات اسی کی پیروی میں مضمر تھی۔ لیکن کون فیوشس کی تعلیم مدّت سے غائب ہو چکی تھی اور کوئی اس کی طرف توجہ دلانے والا نہ تھا۔ اس کام کو مینشس نے اپنے ذمہ لیا۔ ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے ایک دفعہ کہا:

"دانا حکمران اب پیدا نہیں ہوتے، ریاستوں اور صوبوں کے والی اپنی خواہشات کے بندے ہیں۔ علماء بے معنی اور لغو مباحث میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔ یانگ (ایک چینی عالم) کا مقولہ ہے کہ خود غرضی ایک بہترین لائحہ عمل ہے اور چُہ

(ایک دوسرا چینی عالم) کا اصول ہے کہ سب سے مساوی طور پر محبت کرو۔ گویا والدین کے ساتھ سلوک کرنا کوئی خاص اہم نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ تمام انسانوں سے محبت کرنے کا اصول محض خوش نما الفاظ ہیں، جن میں کوئی عملی حقیقت نہیں۔ ایسے مبہم اصول انسانی زندگی کی رہنمائی کرنے سے قاصر ہیں اور ان سے قوموں کی اخلاقی اصلاح کی توقع بالکل عبث ہے۔ جب تک افراد کے مختلف فرائض کی تفصیل و تخصیص نہ کی جائے تب تک ان سے کوئی فائدہ نہیں۔

خودغرضی کے اصول پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ اس نے کہا:

"ان کے باورچی خانوں میں ہر قسم کے گوشتوں کی بہتات ہے، ان کے اصطبل عمدہ اور موٹے تازے گھوڑوں سے بھرپور ہیں لیکن عوام فاقہ کشی میں مبتلا ہیں اور شہروں سے باہر ہر جگہ مرے ہوئے انسانوں کی لاشیں نظر آتی ہیں۔ اگر ان جاہل عالموں کے نظریات کا خاتمہ نہ کیا گیا اور ان کی جگہ کون فیوشس کے نظامِ اخلاق کو زندہ نہ کیا گیا تو حقیقی محبت اور نیکی کا رواج کبھی نہیں ہوسکے گا۔ وحشی انسانوں کو کھا جائیں گے اور انسان انسان کا دشمن ہوگا۔"

مینشس نے بالکل وہی طریقہ استعمال کیا اور وہی لائحہ عمل اختیار کیا جو کون فیوشس کرچکا تھا۔ لیکن تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہمعصر اس کے رویّہ پر مطمئن نہ تھے اور اس پر امیروں اور بادشاہوں کی خوشامد کا الزام رکھتے تھے۔ لیکن یہ تمام اعتراضات درحقیقت نیکی اور پرہیزگاری کے ایک غلط تصوّر کا نتیجہ ہیں۔ وہ نیک انسان جو اپنی نیکی محض اپنے تک محدود رکھے یا صرف ان چند لوگوں کو متأثر کرے جو خود اس کے پاس چل کر آجائیں، اور جن کے آنے پر وہ چیں بہ جبیں بھی ہو ایسے شخص کی نیکی بھی محل نظر ہوگی۔ نیکی کا یہ نظریہ رہبانی عقیدۂ حیات کا نتیجہ ہے جو سرتاپا انکارِ حیات پر مبنی ہے جس کے خلاف کون فیوشس نے پُرزور احتجاج کیا تھا۔ کون فیوشس اور مینشس کے نزدیک نیکی اور پرہیزگاری کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اپنی قوم کے تمام افراد کو اس نصیحت سے سرفراز ہونے کا موقع دے۔ اس کے نزدیک عوام اور حکمرانوں کو آپس میں تعاون کا سبق دینا اور نیکی کے راہ پر گامزن کرنا ہی صحیح لائحہ عمل تھا۔ اگر اس راستے پر چلنے میں انسان سے کوتاہی ہو تو انسان آخر کار انسان ہے۔ زندگی کا اقرار بہرحال زندگی کے انکار سے بہتر ہے۔ اگرچہ اس طریقے سے اس سے سہواً یا عمداً گناہ کا ارتکاب ہوتا رہے۔

اس زمانے میں جبکہ عوامی حکومت کا تصور بھی ممکن نہ تھا اور لوگوں کی نگاہ میں بادشاہ کی ذات واجب الاحترام ہوتی تھی۔ مینشس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ معاشرہ میں سب سے اعلیٰ اور قابلِ احترام درجہ انہی عوام کو حاصل ہے جن کے آرام و آرائش کی خاطر ریاست اور اس کے سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر بادشاہ یا والی ان مقاصد کو پورا کرنے سے قاصر ہو تو ان کو تخت سے ہٹانا عوام کا ایک ضروری فرض ہوجاتا ہے۔ چینی تاریخ میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک وزیر با اختیار نے اپنے نااہل بادشاہ کو قتل کردیا اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ملک اور قوم کی حالت کو جانفشانی سے درست کیا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک ریاست کے والی نے مینشس سے سوال کیا کہ کیا اس وزیر کا یہ فعل درست تھا؟ اس پر اس نے جواب دیا:

وہ شخص جو عمدہ سلوک اور نیکی کا بدلہ ظلم اور بدی سے دے قابلِ صد نفرین ہے۔ جس مثال کا تم نے ذکر کیا ہے میرے خیال میں اس بادشاہ کا قتل ایک چوڑ ڈاکو اور لٹیرے کا قتل تھا، ایک صحیح اور نیک بادشاہ کا قتل نہیں تھا۔"

اسی طرح ایک دوسرے موقع پر اسی طرح کی بحث میں مینشس نے کہا:

"فرض کیا کہ آپ کی رعایا میں سے ایک شخص نے وطن سے باہر جاتے وقت اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے ایک دوست کے سپرد کر دیا، اور ان کی دیکھ بھال کے متعلق تاکید کر دی۔ لیکن جب وہ واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے دوست نے اپنے فرض میں کوتاہی کی ہے۔ ایسی حالت میں وہ کیا کرے؟"

بادشاہ نے کہا کہ اسے ایسے دوست سے بالکل قطع تعلق کر لینا چاہیئے۔

مینشس نے پھر کہا: فرض کیجئے کہ قاضیٔ شہر اپنے فرائض سے غافل ہو تو کیا کیا جائے؟"

بادشاہ نے کہا کہ اسے برطرف کر دیا جانا چاہیئے۔

اس پر مینشس نے فوراً کہا: فرض کیجئے کہ آپ کی سلطنت کی حدود میں ہر طرف بدانتظامی ہو، رعایا کی حالت قابلِ رحم ہو اور کوئی شخص بھی چین وامن سے زندگی نہ بسر کرتا ہو تو پھر؟"

بادشاہ خاموش رہا۔

اس معاملہ میں مینشس کا نقطۂ نگاہ کون فیوشس سے بالکل مختلف تھا۔ مؤخر الذکر کے مختلف اقوال میں بادشاہوں کی اصلاح حال کے لئے مختلف طریقوں کا ذکر موجود ہے لیکن اگر ان کی حالت ناقابلِ اصلاح ہو تو اس کے لئے کوئی حل اس نے پیش نہیں کیا اور نہ اس کی طرف کوئی اشارہ ملتا ہے۔ لیکن مینشس نے بار بار اس معاملہ کی طرف لوگوں اور بادشاہوں کی توجہ مبذول کرائی کہ ایسی حالت میں امیروں اور عوام کا حق ہے کہ وہ ایسے نااہل بادشاہوں کو قتل یا برطرف کر دیں۔ اس کے نزدیک ریاست کا پہلا اور اہم فرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کی جسمانی صحت، ان کے آرام و آرائش، ان کی تعلیم کا صحیح اور اعلیٰ انتظام کرے۔ کیونکہ اسی سے قوم کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ صحیح اخلاقی اور مذہبی اصلاح کا دارومدار تمام تر اسی بنیاد پر ہے۔ اگر لوگ جسمانی طور پر پریشان ہونگے تو ان سے کسی اعلیٰ اخلاقی کردار کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

چنانچہ ایک والیٔ ریاست نے جب اس سے اصلاح حال کے متعلق سوال کیا تو اس نے اس کے سامنے ایک عملی پروگرام پیش کر دیا:

"آج کل عوام کی مالی حالت اتنی مخدوش ہے کہ نہ وہ اپنے والدین کی صحیح خدمت کر سکتے ہیں اور نہ اپنے اہل و عیال کی پرورش کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ ان کے سامنے سوائے موت کے نجات کا کوئی اور راستہ نہیں۔ ان سے کسی نیکی یا اخلاق کی کیا توقع کی جا سکتی ہے!

"میرے خیال میں ہر شخص کے پاس کم از کم پانچ ایکڑ زمین ہو جس میں وہ شہتوت کے درخت بھی لگا سکے تاکہ بڑے بوڑھوں کو

ریشمی کپڑا میسر آ سکے۔ اس طرح وہ پالتو جانور بھی رکھ سکیں گے اور ان غریبوں کو گوشت کھانا بھی نصیب ہوگا۔ اگر اس طرح کا نظام قائم ہو جائے تو ایک آٹھ افراد کے خاندان کا عمدہ گزارا ہو سکے گا۔ مدرسوں میں تعلیم کا انتظام ایسا ہونا چاہئے کہ ہر شخص اس سے استفادہ کر سکے۔ بچوں کو اپنے والدین کی خدمت کی خوبی واضح طور پر ذہن نشین کرانی چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم آج کی طرح بوڑھوں کو شہر کی سڑکوں پر بوجھ لادے ہوئے اور مختلف قسم کی سخت مشقت کرتے ہوئے نہیں پائیں گے۔ یہی ایک راستہ ہے جس سے شہر اور ملک اور عوام کی صحیح خدمت ہو سکتی ہے اور یہی صحیح دینی اور اخلاقی کام ہے۔"

مطبوعات بزم اقبال

مجلۂ اقبال۔ مدیر۔ ایم۔ ایم شریف۔ بشیر احمد ڈار۔
سہ ماہی اشاعت دو انگریزی اور دو اردو شماروں میں۔ قیمت سالانہ دس روپے۔ صرف اردو یا انگریزی شمارے پانچ روپے۔

میٹافزکس آف پرشیا	(انگریزی) مصنفہ علامہ اقبالؒ	۵—۰—۰
ذکر اقبالؒ	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۵—۰—۰
اقبال اور ملّا	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۰—۱۲—۰
مکاتیب اقبالؒ	بنام خان محمد نیاز الدین خاں مرحوم	۱—۴—۰
تقاریر یوم اقبالؒ	۱۹۵۴ء	۱—۴—۰
علامہ اقبالؒ	مترجمہ صوفی غلام مصطفیٰ تبسم	۱—۸—۰
جدید سیاسی نظریے	مترجمین۔ عبدالمجید سالک و عبدالحمید	۲—۱۲—۰
غیب و شہود	مترجم سید نذیر نیازی	۲—۱۴—۰
ایج آف دی وسڈم ان اقبال	مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی	۲—۰—۰

ملنے کا پتہ:-

معتمد بزم اقبال و مجلس ترقی ادب۔ نرسنگھ داس باغ۔ ۲ کلب روڈ۔ لاہور